مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

کفّار سے برأت کا قرآنی عقیدہ

مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ "الولاء والبراء"

ادارہ حطّین

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

کفار سے براءت کا قرآنی عقیدہ

مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللّٰہ علیہ

تسہیل: قاری عبدالہادی

سلسلہ "الولاء والبراء"

ادارۂ حطین

نامِ کتاب	کفار سے براءت کا قرآنی عقیدہ
نامِ مؤلف	مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ
تسہیل وترتیب	قاری عبدالہادی
تعداد	۱۰۰۰۰
تاریخِ اشاعت	شعبان ۱۴۳۰ھ
ناشر	ادارۂ حطین
قیمت	

پیش لفظ

الحمد للّٰہ و کفٰی و سلام علٰی عبادہ الذین الصطفٰی، و بعد

ہادیٔ برحق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**خیر کم قرني ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم**......".

"تم لوگوں میں سے بہترین میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر ان کے بعد آنے والے لوگ ہیں اور پھر ان کے بعد آنے والے لوگ"۔

(متفق علیه)

"**الیوم أکملت لکم دینکم**......" کے نزول کے ساتھ ہی اللہ تعالٰی نے اپنا دینِ اسلام خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دنیا پر کامل صورت میں نازل فرمادیا۔ ایمانیات، اخلاقیات، احکامات، ہر شے کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں وحی الٰہی (متلو و غیر متلو) کے ذریعے فرمادی۔ اولین مخاطب صحابہ کرامؓ تھے جنھوں نے دین کو ہر پہلو سے مکمل طور پر اپنایا اور اسے آگے پھیلایا۔ پھر تابعینؒ و تبع تابعینؒ نے دین کی اصل روح اور احکامات کو محفوظ رکھتے ہوئے بعد کے مسلمانوں کو یہ وراثت عطا کی۔ پھر زمانہ گزرتا گیا اور مسلمانوں کی دینی حالت میں کمی واقع ہوتی رہی۔ حالات نے کئی رخ بدلے، اسلامی معاشرے میں کچھ کمزوریاں پیدا ہوئیں اور ان کے ازالہ کے لئے کچھ ضرورتیں پیدا ہوئیں۔ اسلاف سے چمٹے مصلحین نے ان ضرورتوں کو پورا کرتے ہوئے دینِ اسلام کی روح اور ہیئت کو برقرار رکھا اور مسلمانوں میں بے راہ روی کو پنپنے نہ دیا۔ ہر زمانے نے نئی مشکلات کو جنم دیا، باطل نظریات نے اسلامی عقائد کو پراگندہ کرنے کی کوشش کی، شیطان مختلف حربوں کو استعمال کرتے ہوئے دین میں بگاڑ لانے کی جدوجہد کرتا رہا لیکن ہر زمانے کی مشکلات کے لحاظ سے اس زمانے کے علمائے حق نے ان کا ازالہ کیا، امت کو اسلاف سے جوڑتے ہوئے دین کی بنیادوں کو واضح کیا اور عقائد و احکامات میں آنے والی گمراہی کو رفع دفع کیا۔ یہ سلسلہ آج تک اسی طرح چلا آرہا ہے۔ عصرِ حاضر میں تو اسلام کے چہرے کو مسخ کرنے کے لئے شیطان اور اس کے چیلے چہار جانب سے حملہ آور ہیں۔ عقائد ہوں یا احکامات ہر دو میں مسلمانوں میں بہت سی گمراہیاں جنم لے چکی ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اِس دجالی دور میں یہ گمراہیاں اسلام کے حجاب میں پھیل رہی ہیں، والعیاذ باللہ!

ان گمراہیوں میں سے اہم تر مسلمانوں کے اذہان میں عقیدۂ ''الولاء والبراء'' کا مسخ ہونا ہے۔ یہ عقیدۂ الولاء والبراء سمجھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث ہی کافی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من أحب للّٰه وأبغض للّٰه وأعطى للّٰه ومنع للّٰه فقد استكمل الإيمان''.

''جس نے اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر محبت کی اور اللہ ہی کی خاطر بغض رکھا، اور اللہ ہی کے لئے دیا اور اللہ کی خاطر روک رکھا، پس اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا''۔

(سنن أبي داؤد؛ باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه)

......اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا یہ ہے کہ ایک مسلمان صرف اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اہلِ ایمان ہی کے ساتھ ولایت، محبت، الفت اور موالات کا تعلق رکھے، اور

......اللہ تعالیٰ کے لئے بغض رکھنا یہ ہے کہ ایک مسلمان کفار کے ساتھ مکمل براءت، نفرت اور عداوت کا تعلق ہی رکھے، ان سے کسی قسم کی محبت کا شائبہ تک اس کے قول وعمل سے ظاہر نہ ہو اور نہ ہی اس کے دل میں موجود ہو۔

اس عقیدے کو ''**الحب في اللّٰه والبغض في اللّٰه**'' بھی کہا جاتا ہے اور اس ضمن میں قرآن وسنت کی بے شمار نصوص وارد ہوئی ہیں۔ اور یہ ایمانیات کا ایک ایسا جزو ہے جو کسی طور الگ نہیں ہوسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أوثق عرى الإيمان الحب في اللّٰه والبغض في اللّٰه''.

''اللہ کی خاطر محبت کرنا اور اللہ کی خاطر بغض رکھنا؛ ایمان کی مضبوط ترین کڑی ہے''۔

(مصنف ابن أبي شيبة؛ كتاب الزهد)

ملا علی قاریؒ نے **مرقاة المفاتيح** میں اسے شہادتین یعنی **لا إله إلا اللّٰه** اور **محمد الرسول اللّٰه** کی گواہی کے بعد سب سے افضل قرار دیا ہے۔ اور بعض آئمہ نے اسے عقیدۂ توحید ہی کے لوازمات میں گردانا ہے، کیونکہ لا الہ الا اللہ کے اقرار میں یہ بات خود شامل ہے کہ ولایت وبراءت اور دوستی دشمنی اب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوگی۔

اب اگر ہم اس کی صحیح عملی تصویر دیکھنا چاہیں تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے

اصحابؓ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ......﴾

(الفتح ۲۹)

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں؛ وہ کافروں کے خلاف شدید اور آپس میں انتہائی رحیم ہیں''۔

اور دوسری جگہ اپنے محبوب بندوں کی خصوصیت **أذلة علی المؤمنین أعزة علی الکافرین** بیان کی، یعنی وہ مومنین کے لئے رحیم و نرم خو اور کفار پر شدید و تندرو ہوتے ہیں۔ اس کے ذیل میں امام ابن کثیرؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات بیان کی ہیں؛ **''الضحوك القتّال''** یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے لئے ہنس مکھ، خندہ مزاج تھے جبکہ کفار کے خلاف قتال کرنے والے، شدید تھے۔

صحابہ کرامؓ کی زندگیاں تو اس کا بہترین نمونہ تھیں۔ غزوۂ بدر میں حضرت مصعبؓ بن عمیر کا مشرک بھائی مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ ابھی انصار صحابہ کرامؓ اسے باندھ رہے تھے کہ حضرت مصعبؓ بن عمیر وہاں سے گزرے تو انصارؓ سے فرمانے لگے: ''اسے اچھی طرح باندھو، اس کی ماں بہت مالدار ہے (یعنی اچھا فدیہ دے گی)''۔ وہ تعجب سے بولا کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔ جواب میں حضرت مصعبؓ بن عمیر نے کہا: ''تم میرے بھائی نہیں ہو، میرا بھائی تو وہ ہے جو تمہیں باندھ رہا ہے''۔ یہ ایک واقعہ ہی عقیدہ الولاء والبراء سمجھا دینے کے لئے کافی ہے۔

یہ ہیں اسلام کی تعلیمات؛ اب ذرا عصرِ حاضر کی طرف آتے ہیں۔ آج مسلمانوں کی حالت اس کے قطعی برعکس ہے۔ آپس میں نا چاقی، تفرقہ اور قطع رحمی ہے جبکہ صلہ رحمی تمام کی تمام کفار کے لئے ہے۔ کہیں ''عالمی بھائی چارہ'' کا نعرہ بلند کیا جا رہا ہے تو کہیں ''بین المذاہب ہم آہنگی''۔ کہیں ''تقاربِ ادیان'' کا راگ الاپا جا رہا ہے تو کہیں ''بقائے باہمی''۔ سادہ لوح مسلمان بھی یہی سمجھتا ہے کہ کفار کے ساتھ پیار سے پیش آنا اسلام کی تعلیم ہے۔ پھر وہ ان کا احترام بھی کرتا ہے، ان کی دنیاوی ترقی دیکھ کر ان سے مرعوب بھی ہوتا ہے اور پھر ان کو اپنا معیار بنا بیٹھتا ہے۔ اور یہ رویہ رکھتے ہوئے بھی وہ سمجھ رہا ہوتا ہے کہ وہ دینِ اسلام کے احکامات پر کاربند ہے۔ حالانکہ کائنات کی ذلیل ترین مخلوق، اِن کفار کے حق میں اسلام احترام کی شمہ تک گوارا نہیں کرتا۔

جہاں ایک طرف نام نہاد اسلامی سکالر اسلام میں اس تحریف اور مسلمانوں میں اس گمراہی کے فروغ

کا باعث ہیں، وہاں اس کی دیگر اہم تر وجوہات جدید نظامِ تعلیم اور عالمی ذرائع ابلاغ ہیں۔

...... جدید نظامِ تعلیم کی بنیاد ہی کفار کی فراہم کردہ ہے، اور اس کے نصابِ تعلیم اور طریقۂ تربیت کے نتیجے میں بالعموم ایک ایسی شخصیت وجود میں آتی ہے جو روشن خیال اسلام کی قائل ہوتی ہے، جو اسلام پر مکمل کاربند مومنین کو متشدد اور بنیاد پرست گردانتی ہے، اور کفار کے لئے دل میں احترام اور محبت کا گوشہ رکھتے ہوئے ان سے مرعوب ہوتی ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم اس نظامِ تعلیم کی بھینٹ چڑھ رہا ہے اور ہمارا باصلاحیت طبقہ اس سے بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔

...... دوسری جانب عالمی ذرائع ابلاغ تو دورِ حاضر میں مسلمانوں میں گمراہی پھیلانے کا سب سے بڑا ذریعہ اور اسلام کے خلاف جاری صلیبی وصہیونی جنگ میں کفار کا سب سے بڑا ہتھیار ہیں؛ کیونکہ یہ بلاواسطہ و بالواسطہ یہود و نصاریٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ ان کے دیگر تمام مفاسد کے ساتھ ایک اہم مفسدہ مسلمانوں کے اذہان سے کفار کے خلاف دشمنی، عداوت اور براءت کے اسلامی عقیدے کو کھرچ پھینکنا اور انھیں کفار کی طاقت سے مرعوب کر دینا ہے۔

پس آج کے دور میں اسلام کے عقائد و احکامات کی حفاظت کرنا ہر مسلمان بالخصوص علمائے کرام کا اہم ترین فریضہ ہے، اور ان میں سے اہم تر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ دوستی و دشمنی کے معیار کو قرآن وسنت کی روشنی میں خود پر اور دوسروں پر واضح کرنا اور عقیدہ الولاء والبراء کا احیاء ہے۔ اسی کے پیشِ نظر ہم کتاب "**التشبّـه في الإسلام**" میں سے ایک اقتباس "کفار سے براءت کا قرآنی عقیدہ" قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس کے مصنف، دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم قاری محمد طیبؒ کا نام برصغیر میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اس مضمون میں انھوں نے کفار کے ساتھ تعلقِ براءت کے مدارج بیان کئے ہیں تاکہ ہر مسلمان اچھی طرح سمجھ جائے کہ اسے کفار کے ساتھ کیسے پیش آنا ہے۔

آخر میں علمائے حق سے گزارش ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کا احساس کریں، باطل نظریات سے اسلامی عقائد کے تصفیہ کے لئے کمربند ہو جائیں اور زبان وقلم سے حق کی حمایت اور کفر کی مخالفت میں متحرک ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کے انصار میں شامل فرمالیں، ہم پر حق واضح کر دیں اور اس کی کامل پیروی کی توفیق عطا فرمائیں، اور کفر بھی ہم پر واضح فرما دیں اور اس سے مکمل اجتناب کی توفیق عطا فرمائیں، آمین! **وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين!**

محمد مثنّٰی حسان

کفار سے براءت کا قرآنی عقیدہ

قرآن ...... کتابِ فرقان

قرآن نے اپنا نام ہی ''فرقان'' رکھا کہ وہ حق و باطل میں تفریق کر دیتا ہے......اس فارق و فاصل کلام نے نازل ہوکر سلسلۂ تشریع میں اسلام کو کفر سے، امانت کو خیانت سے اور دینِ حق کو تمام ادیانِ باطلہ سے بالکل جُدا اور نمایاں کر دیا۔ امتوں پر خالق و مخلوق کا فرق مشتبہ ہو چکا تھا۔ کسی نے خدا کی مخصوص صفات بندوں میں مان لی تھیں اور کسی نے بندوں کی ناقص صفات خدا میں تسلیم کر لی تھیں۔ اس فاصل کلام نے تمام مشرکانہ جال توڑ کر توحید کو شرک سے اس طرح الگ کر دیا کہ ان میں کوئی التباس باقی نہ رہا۔ معروف و منکر کی حدود مل گئی تھیں۔ امتوں نے معروف کو منکر اور منکر کو معروف گمان کر لیا تھا۔ اس فرقان و فیصل (کلام) نے معروف کی حدود متعین کر کے اس کو منکر سے جدا کر دیا۔ معروف کا حکم دیا اور منکر سے روکا۔ طیب و خبیث کا فرق امتیں بھلا چکی تھیں۔ اسی کلامِ فاصل نے ان میں تفریق کر دی، طیبات کو حلال کیا اور خبائث کو حرام کیا۔

مسلم و کافر کی قرآنی تفریق

پھر جہاں اس فرقان اور قولِ فصل نے اسلام و کفر، معروف و منکر، طیب و خبیث، حلال و حرام اور حق و باطل میں تفریق کی......وہیں اقوامِ عالم میں بھی دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے تمیز و تفریق پیدا کر دی۔ پس تمام انسانیت خیر و شر کی دو جانبوں میں بٹ گئی، تا کہ سعید و شقی، نیک و بد، مطیع و سرکش، مسلم و کافر اور اولیائے رحمان و اولیائے شیطان میں باہم کوئی تلبیس واختلاط راہ نہ پائے۔ کہیں تو اس کتابِ مبین نے کہا:

﴿اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ﴾ (القلم:۳۵)

''کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح کر دیں؟''

کہیں فرمایا کہ مؤمن و مفسد دو جدا جدا انواع ہیں جن میں کوئی التباس و مشابہت نہیں ہے:

﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ . اَمْ نَجْعَلُ

الْمُتَّقِیْنَ کَالْفُجَّارِ﴾ (صٓ ۲۸)

''آیا ہم ایمان لانے والوں اور نیکیاں کرنے والوں کو ان کے برابر کر دیں گے جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یا ہم متقیوں کو فاسقوں جیسا رکھیں گے؟''

کہیں نیک اور بد کی تفریق بیان کی کہ ان کی موت اور زندگی سب الگ الگ ہونی چاہئے ہے:

﴿اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَھُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاھُمْ وَمَمَاتُھُمْ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ﴾ (الجاثیۃ ۲۱)

''یہ لوگ جو برے برے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اِن کو اُن لوگوں کے برابر رکھیں گے جنہوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے، بہت برا حکم ہے جو یہ لگاتے ہیں''۔

کہیں فرمایا کہ نیک و بد آپس میں ایسے ممتاز ہیں جیسے بینا اور اندھا، پس یہ قطعاً ایک دوسرے کے برابر نہیں ہو سکتے:

﴿وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِیْٓءُ قَلِیْلًا مَّا تَتَذَکَّرُوْنَ﴾ (المومن ۵۸)

''اور بینا، نابینا، اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور بدکار باہم برابر نہیں ہوتے، تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو''۔

کہیں ارشاد فرمایا کہ جب عبدِ مشرک اور عبدِ غیر مشرک دو بالکل جدا مخلوقات ہیں، تو پھر وہ ایک سے کیسے ہو سکتے ہیں؟

﴿ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْہِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ھَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا﴾ (الزمر ۲۹)

''اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص ہے جس میں کئی (آقا) ساجھی ہیں جن میں باہم ضدا ضدی ہے، اور ایک اور شخص ہے کہ پورا ایک ہی شخص کا (غلام) ہے، کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے؟''

کہیں فرمایا کہ ایک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا انسان ایک با اختیار آدمی کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟

﴿ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰہُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا

فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ﴾ (النحل ۷۵:)

''اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک غلام ہے، مملوک کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔ اور ایک شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔ کیا اس قسم کے شخص آپس میں برابر ہو سکتے ہیں؟''

کہیں فرمایا کہ ایک اپاہج کسی مستقیم الحال کی برابری کیسے کر سکتا ہے؟

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (النحل ۷٦)

''اور اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ دو شخص ہیں جن میں ایک تو گونگا ہے کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے مالک پر ایک وبال جان ہے، وہ اس کو جہاں بھیجتا ہے کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا۔ کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو اور خود ہی سیدھے راستے پر ہو''۔

پس اللہ تعالیٰ کے اس بابرکت کلام نے یہ بات واضح کر دی کہ جب تکوینی وفطری اعتبار سے دو متضاد چیزوں، یعنی حق و باطل میں یک جہتی، اتحاد و اتفاق اور پرامن بقائے باہمی ممکن نہیں، تو پھر تشریعی حکم بھی یہی ہے کہ تم اپنے اختیار سے بھی حق اور باطل کو الگ الگ ہی رکھو اور ان میں اس مہلک اختلاط اور اشتباہ کو مت داخل ہونے دو:

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ ۴۲:)

''حق کو باطل میں مت لاؤ اور جانتے بوجھتے حق کو مت چھپاؤ''۔

قرآن کا مطلوب اتحاد

قرآن باوجود داعیٔ اتحاد ہونے کے، ادیان واہلِ ادیان میں تفریق وامتیاز ہی کا حامی ہے۔ ہاں! قرآن کا مطلوب اتحاد یہ ہے کہ ساری ملتیں مٹ کر اسلام میں آملیں اور یوں کئی امتیں نہ رہیں، بلکہ ایک امت بن جائے؛ اور کئی ادیان نہ رہیں بلکہ دین بس ایک ہی ہو جائے۔ ''لیکون الدین کله لله'' کا یہی معنی ہے۔ قرآن ایسا اتحاد نہیں چاہتا کہ برائی اپنی صورت پر قائم رہتے ہوئے نیکی کے ساتھ رل جائے ظلمت رہے نہ نور بلکہ کوئی اور تیسری چیز تیار ہو جائے! اگر قرآن ایسے اتحاد کو گوارا کرتا تو وہ یقیناً اسے بھی

گوارا کرتا کہ نہ قرآن رہے نہ قرآنی امت، نہ اسلام کی حقیقی دعوت رہے نہ امتِ اسلام...... کیونکہ التباس ہی وہ تاریکی ہے کہ جس میں ہر شے کا اصلی وجود پہلے چھپتا ہے اور پھر بالآخر باطل بن جاتا ہے۔

کفار سے مشابہت واختلاط کا انجام

اسی باب میں احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے، دوسری اقوام سے اپنا امتیاز برقرار نہ رکھنے کی وجہ سے پہلے کوئی قوم اپنے قومی وجود کو چھوڑتی ہے، اور بالآخر فنا ہو کر اس دوسری قوم میں مدغم ہو جاتی ہے جس کے علمی وعملی شعائر سے اس نے اپنے علم وعمل کو مخلوط کر لیا تھا۔ ''**من تشبّہ بقوم فھو منھم**'' (یعنی یہ حدیث کہ ''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انہی میں سے ہے'') کا یہی مفہوم ہے!

پس ہر صداقت کے مٹنے کا پہلا قدم التباس واختلاط اور تشبہ ہی ہے......اسی لئے قرآنِ کریم نے ایک طرف تو متعدد مثالوں سے اسلام وکفر کی تلبیس اور حق و باطل کو برابر ٹھہرانے کے متعلق اپنی ناراضی ظاہر فرمائی۔ پھر باقاعدہ امر اور حکم کے ذریعہ تلبیس کی ممانعت فرمائی۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ متعدد آیات میں تلبیس کی جڑ کاٹنے کا ایک عملی لائحہ عمل بھی پیش فرمایا جس میں صرف کفار کی مشابہت ہی سے نہیں، بلکہ بطور سدِّ ذرائع ہر اس حرکت سے روکا ہے جو مشابہت تک لے جاتی ہو، تاکہ مسلم وکافر میں کوئی ظاہری یا باطنی اشتراک، کوئی مناسبت اور کوئی مماثلت بھی پیدا نہ ہونے پائے۔

کفار سے براءت کے مختلف درجات

۱۔ کفار سے قلبی تعلق کا خاتمہ

قرآن نے حکم دیا کہ کوئی مسلمان کسی کافر کے ساتھ موالات ومودت اور قلبی محبت کا تعلق نہ رکھے، کیونکہ قلب اقلیمِ تن (یعنی جسم) کا بادشاہ ہے، لہٰذا قلبی تعلقات ہی آخرکار انسان کے نیت وارادے اور تمام افعال پر چھا جائیں گے۔ نتیجتاً ایک مسلمان قلباً وقالباً (ظاہراً وباطناً) کفار سے مشابہ ہو جائے گا، حالانکہ کفار سے مشابہت قرآنی تعلیمات کے صراحتاً خلاف ہے۔ پس ایک جگہ تو اس نے یہود ونصاریٰ سے ترکِ موالات کا حکم دیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ﴾ (المائدۃ ۵۱)

''اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ''۔

پھر اہلِ کتاب اور عام اہلِ کفر سے، حتیٰ کہ ان لوگوں سے بھی رشتۂ موالات منقطع کرنے کا حکم دیا جو مسائلِ دین کے ساتھ تمسخر اور استہزاء سے پیش آتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (المائدة ۵۷)

''اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے، جو ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بن رکھا ہے، ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ اور اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو''۔

پھر ایک جگہ فرمایا کہ کافر تو کافر، ایک مسلمان تو کسی ایسے آدمی سے بھی رتی بھر محبت نہیں رکھ سکتا جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہو، خواہ کفر کر کے ہو یا علانیہ فسق اور بدعت کا ارتکاب کر کے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ﴾ (المجادله ۲۲)

''جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں؟ ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی ہے''۔

حقیقت یہی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے دل میں موالاتِ کفار اور محبتِ منکرین کا کوئی شائبہ تک موجود ہے تو ماننا پڑے گا کہ اسی درجہ میں اسلام کی عظمت و محبت کی کمی بھی اس قلب میں جاگزیں ہے، ورنہ پھر اسلام و کفر کا تضاد ہی باقی نہیں رہ سکتا۔ اسی حقیقت کو سمجھ کر اربابِ حقیقت نے دعویٰ کیا ہے کہ کفار سے محبت رکھنے سے ایمان میں فساد آ جاتا ہے۔ بلکہ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جس کا ایمان و توحید خالص ہے وہ کسی بدعتی سے بھی اُنس نہیں رکھ سکتا چہ جائیکہ کفار سے؛ اور وہ بھی مودت و محبت کی شکل میں!...... اگر مسلم قلوب میں سے کفار کے لیے یہ شدت و سختی نکل جائے تو ان کی ولایت و محبت ضرور اس کی جگہ لے گی۔ اور کفار سے قلبی محبت قائم کرنے کے بعد وہ دن دور نہیں رہتا جب یہ مسلم فرد انجام کار اُسی گروہِ کفر میں جا ملے اور صورت و سیرت میں ان کا ہم آہنگ بن جائے۔

قرآنِ کریم نے موالات کے اس نتیجے کا صاف صاف ذکر کر دیا ہے:

﴿وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنكُمْ فَإِنَّهٗ مِنهُمْ﴾ (المائدة ۵۱)

''اور جو شخص تم میں سے ان سے دوستی کرے گا بے شک وہ انہی میں سے ہوگا''۔

پس ترکِ محبت وقطعِ موالات کے سلسلے میں ایک مسلمان کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے آیاتِ مذکورہ کے تحت اہلِ کفر سے اپنے قلبی تعلقات کا رشتہ کلیتًا کاٹ دے۔ بالکل اسی طرح جیسے ان آیات کے ماتحت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنے کافر باپ سے قلبی تعلقات منقطع کر لئے تھے کہ بالآخر بدر میں خود ہی ان کے قاتل بھی بنے۔ اور جس طرح اسی تعلیم (أشداء على الكفار) کے ماتحت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عبید بن عمیر سے محبت ختم کر کے خود ہی اُحد میں اسے قتل کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو بدر میں قتل کیا، حضرت علی وحمزہ اور عبید بن الحارث رضی اللہ عنہم نے عتبہ، ولید بن عتبہ اور شیبہ بن ربیعہ کو بدر میں قتل کیا جو ان حضرات کے قریبی رشتہ دار تھے، اور ایسا کر کے اسلامی غیرت اور صلابت فی الدین کی ایک ایسی زبردست مثال قائم فرما دی جو ہمیشہ امت کو غیرت وحمیت کی دعوت دیتی رہے گی۔

۲۔ اہلِ کفر سے نفرت و برأت کا زبانی اعلان

پھر قرآنِ کریم نے اسی پر بس نہ کیا، بلکہ حکم دیا کہ اپنے اس ترکِ موالات اور قلبی نفرت کا اعلانِ عام بھی کر دو تاکہ غیر مسلم تمہارے قلب وقالب سے کوئی طمع نہ رکھ سکیں، جیسا کہ اللہ نے اپنے رسول کی کفار سے برأت بھی علی الاعلان پکار دی تھی:

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنهُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾ (الأنعام ۱۵۹)

''بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں''۔

یہ تفریق بالکل صفائی سے واضح کر دی گئی کہ ''لست منهم'' (تم ان میں سے نہیں ہو)......یعنی تیری اور ان کی بات ایک نہیں۔ تیرا اور ان کا معاملہ ایک نہیں۔ تو اور وہ بالکل الگ الگ ہیں......تو کسی چیز کے اعتبار سے کفار میں سے نہیں، ان کا شریک نہیں، ان کے ساتھ متحد نہیں۔ اسی لئے سورۂ کافرون میں اس برأت وعلیحدگی کو مزید واضح کر دیا گیا:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ وَلَا أَنَا عَابِدٌ

مَّا عَبَدتُّمْ وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ (الكافرون)

''آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرتے ہو، اور نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کروں گا اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کروگے، تمہیں تمہارا بدلہ ملے گا اور مجھ کو میرا بدلہ ملے گا''۔

کفار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اظہارِ برأت و بیزاری ایسا ہی ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السّلام نے اپنی کافر قوم اور اپنے کافر باپ سے اعلانِ برأت کیا تھا:

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ﴾ (الزخرف:۲۶)

''اور اس وقت کو یاد کرو جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا کہ میں اس چیز سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو''۔

اور ایسا ہی ہے جیسا کہ قومِ ابراہیمؑ نے مشرکین سے یہ کہہ کر اظہارِ برأت کیا تھا کہ:

﴿اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (الممتحنه:۴)

''ہم تم سے اور جس کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں''۔

پس جب انبیاء علیہم السلام کا طریقہ کفار سے نفرت و بیزاری کا اعلان کرنا ہے، تو ان کے پیرو اور حلقہ بگوش کیوں اسی طریقے کی رہروی پر مجبور نہ کئے جائیں گے؟ آخر وہ سب طریقۂ رسول کی پیروی ہی کے تو مدعی ہیں! بہرحال ایک مومن کے قلب اور لسان دونوں کا تعلق کفار سے کاٹ دیا گیا، اور یہی دو اعضاء انسان میں اصل ہیں۔

لسان الفتیٰ نصف و نصف فؤاده

فلم یبق اِلا صورد اللحم والدّم

۳۔تمام اعمال میں کفار کی پیروی سے اجتناب

پھر اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ قلب و زبان کی طرح عام افعال و جوارح میں بھی مسلموں کو غیر مسلموں سے الگ اور ممتاز ہی رکھا گیا ہے۔ تا کہ مسلمان نہ ان کے کسی لائحۂ عمل اور طریقۂ کار کے پابند بنیں، نہ ہی کسی آواز پر ان کے پیچھے پیچھے ہولیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرمایا گیا تھا کہ جب تمہیں علم و ہدایت کی دولت دے دی گئی ہے تو پھر تم کج راہوں اور جاہلوں کے پیچھے مت ہو لینا۔ خدائے کریم نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو خطاب کرکے فرمایا:

﴿فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (یونس ۸۹)

''تو تم دونوں مستقیم رہو اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں''۔

یہی وصیت موسیٰ علیہ السّلام نے کوہِ طور پر جاتے ہوئے ہارون علیہ السلام کو کی تھی کہ تم اپنی صلاح اور دوسروں کی اصلاح کی راہ پر قائم رہنا اور مفسدوں کی پیروی مت کرنا:

﴿وَ قَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَ لَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (الأعراف ۱۴۲)

''اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہہ دیا تھا کہ میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور اصلاح کرتے رہنا، اور مفسدوں کی رائے پر عمل نہ کرنا''۔

پس جب انبیاء علیہم السّلام کا راستہ ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر وہ علم وصلاح اور استقامت کے ساتھ قائم ہیں، تو پھر غیر مسلموں کے جہل وفساد والی متفرق راہوں پر چلنے کی حاجت ہی کیا ہے؟ مسلمانوں کو تو یہ زریں اصول دے دیا گیا ہے کہ:

﴿وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ (الأنعام ۱۵۳)

''بلاشبہ یہ دین میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی''۔

۴۔ کفار سے مکمل ترکِ معاملات

پھر شریعتِ الٰہی نے صرف اتنی ہی علیحدگی اور تمیز پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس امتیاز وتفریق کو اور زیادہ نمایاں کرتے ہوئے کفار سے معاملات بھی منقطع کرنے کا حکم دے دیا۔ پس اگر اسلامی سطوت وشوکت قائم ہو، اس کی حکومت کا علم لہرا رہا ہو، شرعی عدالتیں کھلی ہوئی ہوں ...... تو خلافتِ راشدہ اور حکومتِ دینیہ کے دستور العمل کے مطابق مسلمان کفار سے استعانت وامداد نہ لیں گے، سیاسیات میں ان کو شریک نہ کریں گے اور اشتراکِ عمل سے حتی الامکان بچیں گے۔ کیونکہ معاملات کی یہ ظاہری شرکت بھی آخر کار وہی موالات اور انس ومحبت پیدا کر دیتی ہے۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی گہری سیاست نے اس اصول پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ خلافت کے زیرِ نگیں علاقوں میں ان کا یہ فرمان شائع کیا گیا تھا:

''......أن لا تكاتبوا أهل الذمة فتجري بينكم و بينهم المودة، و لا تكنوهم

وأذلوهم، ولا تظلموهم".

''ذمیوں کے ساتھ مکاتبت کا تعلق مت رکھو ورنہ تم میں اوران میں محبت پیدا ہوجائے گی۔ان کو پناہ مت دواوران کو ذلیل رکھو،مگر ہاں ان پر ظلم نہ کرو''۔

(إقتضاء الصراط المستقيم)

نیز فاروقِ اعظم اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے درج ذیل مکالمے سے اس قطع تعلق میں پنہاں حکمت کا پورا پورا اندازہ ہوسکے گا۔امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں سندِ صحیح کے ساتھ روایت فرماتے ہیں:

أبو موسیؓ:"قلت لعمر رضی الله عنه:إن لي كاتبًا نصرانيًا".

حضرت ابوموسیؓ:''میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے یہاں ایک نصرانی کاتب ملازم ہے''۔

عـمـرؓ:"مـالك!قاتلك الله!أما سمعت الله يقول:يا أيها الذين اٰمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارىٰ أولياء بعضهم أولياء بعض. ألا اتخذت حنيفاً؟"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:''تجھے کیا ہوا؟ خدا تجھے غارت کرے! کیا تو نے اللہ کا یہ حکم نہیں سنا کہ :یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ، یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔تو نے کسی مسلمان کو ملازم کیوں نہ رکھا؟''

أبو موسیؓ:"يا أمير المؤمنين!إن لي كتابته وله دينه".

حضرت ابوموسیؓ:''اے امیر المومنین!مجھے تو اس کی کتابت سے غرض ہے اور اس کا دین اسی کے لئے ہے(یعنی مجھے اس کے دین سے کیا تعلق؟)''

عـمـرؓ:"لا أكـرمهـم إذا أهـانهم الله، ولا أعزهم إذا أذلهم الله، ولا أدنيهم إذا أقصاهم الله تعالٰى".

حضرت عمرؓ:''میں ہرگز ان کی تکریم نہیں کروں گا جن کی اللہ نے توہین کی،اور میں ان کو عزت نہ دوں گا جن کو اللہ نے ذلیل کیا،اور میں انہیں مقرب نہ بناؤں گا جن کو اللہ تعالیٰ نے دور کیا''۔

(اقتضاء الصراط المستقيم)

......پس جس مخلوق کی اس کے خالق نے تکریم نہ کی اوران کے لئے عزّت کا کوئی شمہ گوارا نہ کیا،اس خالق کے پرستاروں کی غیرت وحمیت کے خلاف ہے کہ وہ اس کے اعداء کی تکریم کریں۔وہ جسے پھٹکار دے یہ اسے پیار کریں۔ورنہ یہ تو پھر اسلام کے نام پر شرائعِ الٰہی کی توہین اور خود افعالِ باری ہی کی صریح تکذیب کرنے کے مترادف ہوگا،نعوذ باللہ منہ۔

۵۔ کفار کے ساتھ نشست و برخاست سے گریز

پھر دین وملت کے تحفظ میں شریعت نے ایک قدم اور بڑھایا کہ غیر مسلموں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے بھی منع کر دیا۔ اگر ان کے ساتھ نشست و برخاست اور میل جول عام ہو جائے تو رفتہ رفتہ ان سے موالات اور مودّت ومحبت پیدا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، جس سے مسلمانوں کے مخصوص قومی و مذہبی شعائر مٹتے چلے جائیں گے اور دین ضائع ہو جائے گا۔ چونکہ کفر ونفاق کی محفلوں کا عام انداز یہی ہوتا ہے کہ ان میں دین کی تحقیر کی جاتی ہے اور قول و عمل سے اللہ کی آیات کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اس لیے ان میں شرکت کا نتیجہ مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کرنے کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟ اسی لئے قرآن نے فرمایا:

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ﴾ (النساء:١٤٠)

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب احکامِ الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ایسے لوگوں کے پاس مت بیٹھو، جب تک کہ وہ اور کوئی بات شروع نہ کر دیں''۔

نیز جب ایک منافق محض ظاہری میل جول اور زبانی جمع خرچ کی بناء پر مسلم کہلا سکتا ہے تو کیا ایک مسلمِ حنیف پر اس ظاہری مشارکت یا مجالست کے سبب کفر ونفاق کے احکام جاری نہیں ہو سکتے؟ قرآن کریم نے خود ہی فیصلہ فرما دیا:

﴿اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ (النسآء:١٤٠)

''اس حالت میں تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ گے''۔

٦۔ خواہشاتِ کفار کی مخالفت

ان تمام مراتب کے بعد ترقی کر کے شریعت نے کفار سے تعلق کے اس تار کو بھی کاٹ ڈالا کہ مسلمان غیر مسلموں کے ہوائے نفس اور ان کی جاہلانہ خواہشات پر کان تک دھریں یا ان کے نفسانی جذبات کا کچھ بھی احترام کریں! کیونکہ اگر ان کے ہوائے نفس میں سے تم نے کسی ایک خواہش پر بھی لبیک کہا، تو ایک پیروی تمہارے لئے دوسری پیرویوں کا ذریعہ اور ان کے لئے دوسری خواہشات پیش کرنے، اور ان کو منوانے کا ایک قوی وسیلہ اور حجت بن جائے گی۔ اور نہ معلوم انجامِ کار ان کی خواہشات ومطالبات پر اسلام کا کس قدر سرمایہ، چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے، نثار کر دینا پڑے۔ پس قرآنِ کریم نے بتلایا کہ ان جاہلوں کی پیروی کرنا دراصل حق کی پیروی سے ہٹنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (الجاثية:۱۸)

''پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اسی طریقہ پر چلے جائیں اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلیں''۔

ایک اور مقام پہ فرمایا:

﴿وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (المائدہ:۴۸)

''اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے''۔

ایک موقع پہ یہ ارشاد ہوا:

﴿وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ (المائدہ:۴۹)

''اور ہم حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشات پر عمل درآمد نہ کیجئے، اور ان سے یعنی ان کی اس کے بات سے احتیاط رکھیئے کہ وہ آپ کو خدا کے بھیجے ہوئے کسی حکم سے پھسلا دیں''۔

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآئَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا وَاقٍ﴾ (الرعد:۳۷)

''اگر آپ ان کے نفسانی خیالات کا اتباع کرنے لگیں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم پہنچ چکا ہے تو اللہ کے مقابلہ میں نہ کوئی آپ کا مددگار رہوگا اور نہ کوئی بچانے والا''۔

بہرحال ان آیات میں اہوائے کفار کی پیروی کو انتہائی بلاغت کے ساتھ روکا گیا ہے کہ ساتھ ہی کہیں ''علم''، کہیں ''حق''، کہیں ''شریعت'' اور کہیں '' ما أنزل اللّٰہ'' کے کلمات سے اس طرف رہنمائی بھی فرمادی کہ اتباع کے لئے یہ چیزیں کافی ہیں! پھر کیا ان کے بعد بھی کسی دوسری چیز، اور وہ بھی اہوائے کفار کی پیروی کی حاجت رہ جاتی ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ ان کی خواہشات کا اتباع کر کے تو تم علم کی بجائے جہالت، حق کی بجائے باطل، شریعت کی بجائے سُبلِ متفرقہ اور ''ما أنزل اللّٰہ'' کی بجائے القائے شیطانی کے دلدل میں پھنس جاؤ گے۔ أتستبدلون الذي هو أدنىٰ بالذي هو خير؟

۷۔ کفار سے عملی دشمنی...... جہاد فی سبیل اللہ

قلب وقالب کے یہ تمام رشتے منقطع کر دینے کے بعد اب شریعت نے ایک اور قدم اُٹھایا کہ احبائے الٰہی (یعنی مسلمان) اللہ کے ان دشمنوں سے اگر کوئی تعلق رکھیں تو وہ عداوت اور بغض فی اللہ کا تعلق ہونا چاہیے، نہ کہ حب اور اُنس کا۔ کیونکہ وہ خدا کے دشمن ہیں اور مسلمانوں کو وہ سب کے سب، اور ان کا قائد اعظم (شیطان)، اپنی انتہائی عداوت کے سبب جہنم کی طرف دھکیل دینا چاہتے ہیں:

﴿اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَہٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ﴾ (فاطر ٦)

''یہ شیطان بے شک تمہارا دشمن ہے سو تم اس کو دشمن سمجھتے رہو، وہ تو اپنے گروہ کو محض اس لئے بلاتا ہے تاکہ وہ لوگ دوزخیوں میں سے ہو جاویں''۔

نیز جب یہ عداوت کسی نفسانی داعیہ سے نہیں، بلکہ محض اس لئے قائم ہوئی کہ انہوں نے حق کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تو اس کی بناء محض صداقت پر ہوئی۔ اس لئے بے دھڑک اس عداوت کا اعلان بھی کر دو تاکہ اعداء اللہ تم کو اپنی طرف کھینچنے اور ملا لینے سے مایوس ہو جائیں، جیسا کہ اصحابِ ابراہیمؑ نے اعلان کیا تھا اور صاف طور پر پکار ڈالا تھا:

﴿کَفَرْنَا بِکُمْ وَ بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ﴾ (الممتحنة:٤)

''ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض ظاہر ہو گیا، جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ''۔

پھر فرمایا کہ اعلانِ عداوت کے بعد خاموش نہ بیٹھ جاؤ بلکہ حسبِ استطاعت سامانِ جنگ کی تیاری بھی جاری رکھو تاکہ یہ عداوت اس وقت تک مستحکم رہے جب تک وہ کفر سے تائب نہ ہو جائیں:

﴿وَ اَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَ عَدُوَّکُمْ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ﴾ (الأنفال:٦٠)

''اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان تیار رکھو کہ اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھو ان پر جو اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں۔ اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی''۔

حاصلِ کلام

خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ مسلمانوں کی آمادگیٔ عداوت، پھر اعلانِ عداوت، پھر ابقائے عداوت کے سبب ان کا خطاب ہی بارگاہِ الٰہی سے "**أشداء علی الکفار**" نازل ہوگیا اور وہ خدا کی اس فوج کے سپاہی بن گئے جس کو خدا نے اپنے دشمنوں کے مقابلہ کے لئے چن لیا۔ پس مسلم و کافر دو فوجیں ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء اور جنگ آزما رہی ہیں۔ ہمیشہ ایک کی امداد جنودِ ملائکہ اور ایک کی جنودِ شیاطین سے ہوتی رہی ہے۔ پھر ہمیشہ پہلے کے حق میں فوز و فلاح کے دروازے کھولے گئے اور دوسرے کے لئے انجامِ کار ذلّت و پھٹکار کے سوا کچھ نہ رہا!

مطبوعاتِ حطین

☆جہاد فی سبیل اللہ کے اساسی مقاصد — محمد مثنیٰ حسان

☆مسلمانوں کے تعلقات کی اساس؛ لا الہ الا اللہ — سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ

☆چہروں کی نہیں، کفریہ نظام کی تبدیلی مقصود ہے! — قاری عبدالہادی

☆ من لی بھذا الخبیث؟ — محمد مثنیٰ حسان
(کون ہے جو میری حُرمت کی خاطر اس خبیث سے نمٹے؟)

☆یہ تہذیبی تصادم نہیں، صلیبی جنگ ہے! — مولانا ابو محمد یاسر

☆ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟ — شیخ احمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

☆استاد المجاہدین؛ استاد یاسر کے ساتھ ادارۂ حطین کی گفتگو — مترجم: محمد مثنیٰ حسان

☆اور فتح کی خبریں آنے لگیں! — قاری عبدالہادی

☆درسِ حدیثِ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ — شیخ ابو عبداللہ حفظہ اللہ

زیرِ طباعت

☆حکمرانوں کی قربت سے بچو!
(امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "**ما رواہ الأساطین في عدم المجيء إلى السلاطین**" کا اردو ترجمہ) — مترجم: مولانا عبید الرحمٰن

......ادارۂ حطین کی تمام مطبوعات اپنے قریبی کتب خانوں سے طلب کی جاسکتی ہیں!......

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”من أحب لله وأبغض لله وأعطى لله ومنع لله فقد استكمل الإيمان“.

”جس نے اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر محبت کی اور اللہ ہی کی خاطر بغض رکھا، اور اللہ ہی کے لئے دیا اور اللہ کی خاطر روک رکھا، پس اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا“۔

(سنن أبي داؤد؛ باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه)

......اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا یہ ہے کہ ایک مسلمان صرف اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اہلِ ایمان ہی کے ساتھ ولایت، محبت، الفت اور موالات کا تعلق رکھے، اور

......اللہ تعالیٰ کے لئے بغض رکھنا یہ ہے کہ ایک مسلمان کفار کے ساتھ مکمل براءت، نفرت اور عداوت کا تعلق ہی رکھے، ان سے کسی قسم کی محبت کا شائبہ تک اس کے قول وعمل سے ظاہر نہ ہو اور نہ ہی اس کے دل میں موجود ہو۔